مباحث

الفاظ کے استعمال میں بے احتیاطی

شفقت رضوی

عام زندگی میں لفظوں کے استعمال میں بے احتیاطی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، یہ روش اب اتنی عام ہوگئی ہے کہ ادیب، شاعر اور ذرائع ابلاغ سے متعلق افراد اسے اپنی شان باور کرنے لگے ہیں۔ لوگ الفاظ کو بے جان لکیریں یا ہوا میں تحلیل ہونے والی اصوات باور کرتے ہیں۔ وہ اُن کی توقیر کرنا نہیں جانتے۔ لفظ زندہ ہوتے ہیں۔ اُن کے معنی ہی نہیں ہوتے اُن کی روح بھی ہوتی ہے۔ وہ ہمارے خیالات کے ترجمان ہوتے ہیں، وہ ہماری آواز ہی نہیں ہوتے ہمارے خیالات، جذبات اور احساسات کی روح ہوتے ہیں۔ ہم اُن کے ذریعے دوسروں تک اپنے دل کی دھڑکنیں پہنچاتے ہیں۔ لفظوں میں معنی بھی پنہاں ہوتے ہیں اور معنویت بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔ لفظ کا نفس شناس وہ ہوتا ہے جو معنویت سے کام لیتا ہے اور اُس میں وسعت پیدا کرنے کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔ چند لفظ خیر کے نمائندہ ہوتے ہیں، چند بدی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کسی میں تقدیس اور پاکیزگی ہے کسی میں تحقیر و کراہیت، تاثیر سب میں ہوتی ہے۔ وہ جسے عمومی فہم کہا جاتا ہے، وہی لفظ کے درست اور جائز استعمال میں رہنما ہوتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے جس کا اظہار انگریزی میں یوں کیا جاتا ہے کہ *Common sense is most uncommon*۔ عمومی فہم سے ناآشنا ہونے کی مثالیں مشرق سے مغرب تک ہر جگہ ملتی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق جتنے الفاظ اور اصطلاحات عربی الاصل ہیں اُن کا دانستہ تلفظ بگاڑنے کی خاطر عجیب وغریب املا سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ اہل مغرب کی سوچی سمجھی پالیسی ہے۔ افسوس کہ پاکستان میں اُردو صحت کے ساتھ استعمال کرنے کو جہالت اور انگریزی آمیز اُردو کو رواج دینے کی سعی بسیار ہر سطح پر کی جارہی ہے۔ بعض صورتوں میں کم علمی، جہالت یا جدت پسندی ایمان اور اعتقاد سے متصادم دکھائی دیتی ہے اور اس گمراہی کو ترقی پسندی کا عنوان دیا جاتا ہے۔

لفظ کو غلط یا بے احتیاطی سے استعمال کرنے کے کئی اسباب ہیں۔ چند صورتوں میں بربنا، کم علمی، کم فہمی یا جہالت ایسا

ہوتا ہے۔ ان میں چند اصلاح پا کر درست کر لیے جاتے ہیں جو واقعی جاہل ہیں وہ آمادۂ ضد ہوتے ہیں، اصلاح کو پسند نہیں کرتے، اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہیں کیونکہ جہالت کا لوازمہ ضد ہی ہے۔ چند افراد دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ بالخصوص مذہب کا مذاق اڑانے کے لیے لفظوں کے طوطا مینا اڑانا اور حماقت کو دانشوری قرار دینا اُن کا شیوہ ہوتا ہے۔ بعض سیاسی، معاشرتی، وقتی ضرورت اور مصلحت کے سبب لفظ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہمارے شاعر تو مضمون آفرینی میں یکتا ہیں۔ وہ تخئیل کی پرواز مذہب اور سماجی اقدار کی توہین سے ثابت کرتے ہیں۔ جو بات گفتگو میں بیان کرنا یا نثر میں ادا کرنا معیوب ہے وہ شعر میں جائز قرار پاتا ہے۔ اگر کوئی شاعر خالِ ہندی پر سمرقند و بخارا نچھاور کرنے کا ارادہ کرے تو اُس پر تعزیرات کی کوئی دفعہ نافذ نہیں کی جاسکتی۔

ایک چلن اُردو کے شاعروں کا یہ بھی رہا ہے کہ اسلام کی توہین کے ساتھ صنم پرستی کا پرچار کیا جائے۔ وہ شاعر جس کا نام ہم سر جھکائے بغیر نہیں لیتے، جب کہتا ہے ''قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا'' تو سر عقیدت سے نہیں شرمساری سے جھک جاتا ہے۔ اس میں لفظوں نے کسی خیر کی ترجمانی نہیں کی ہے بلکہ شر پر اکسایا ہے۔ زمین سے پیوستگی اور خود کو فرزند زمین Son of Soil ثابت کرنے کا جنون اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ ازلی دشمنِ جان و ایمان کو گلے لگانے کے شوق میں خدا اور خدا پرستی سے دست برداری اختیار کر لی جاتی ہے۔ فلسطینی علاقے میں ایک شہر ہے انگریزی میں اسے Ramallah لکھا جاتا ہے، اُردو میں ''رملہ'' درست ہے۔ اللہ سے دستبرداری اور صنم سے پیوستگی کے شوق میں پاکستانی ذرائع ابلاغ کے کم علم ملازمین اسے ''رام اللہ'' لکھتے اور بولتے ہیں۔ یہ ایسے ڈگری یافتہ لوگ ہیں جنھوں نے اُردو میں نہ تاریخ پڑھی ہے نہ جغرافیہ اور نہ اُردو کا اٹلس کبھی دیکھا ہے۔ اُن کے دل اور دماغ صنم آشنا، اُنہیں کیا ملنا ہے اللہ کے نام میں۔ اُنہوں نے جہالت کو رہنما بنا کر رام اور خدا کو ایک کر دیا، اُن کے فہم عمومی کے فقدان نے یہ سوچنے کا موقع بھی نہیں دیا کہ ایک تاریخی والمیک کے رزمیہ کا ہیرو رامائن کے قلم کار کی ذہنی مرعوبیت سے اوتار اور پھر بھگوان قرار پانے والا خدائے لم یزل کا ہم پلّہ ہو بھی سکتا ہے یا نہیں! خدا اور صنم کا بے جوڑ رشتہ کسی مسلمان کے ایمان کا محافظ بن سکتا ہے یا نہیں، ہم نے برسوں ''بھگوان رام'' سنا تھا یہ اُسی ''نعرہ'' کا آزاد ترجمہ ہے جو مسلمان دانشوروں کے قلم سے ''رام اللہ'' بن کر ظاہر ہوا ہے۔ تاریخ ناآشناؤں نے یہ بھی نہ سوچا کہ جنوبی ایشیا کے خاص علاقے تک محدود ''بھگوان'' آخر نبیوں کی سرزمین تک کیسے پہنچ گیا۔

اگر پاکستانی ذرائع ابلاغ کے ترجمہ کرنے والوں کی صلاحیت کا یہی معیار ہے تو یقیناً وہ Ramadi کو اُردو میں ''رام عادی'' اور ماہِ رمضان Ramadan کو ''رام دان'' کہنے اور لکھنے پر اصرار کریں گے۔ بھلا اُن کی ضد کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کس میں ہے۔

یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ لفظ صرف معنی نہیں رکھتا بلکہ اس کا بھرم بھی ہوتا ہے۔ جو الفاظ بھرم قائم کر لیتے ہیں اُس کو توڑنا کسی ادیب یا اہل زبان کے لیے ممکن نہیں ہوتا اور جن الفاظ کا بھرم نہیں ہوتا اسے قائم اور رائج کرنے کی لاکھ کوشش کی جائے کامیابی نہیں ہوتی۔ شاعروں میں قصیدہ ایک صنف ہے بلحاظ خصوصیت حمد اور قصیدہ میں فرق نہیں، اگر فرق ہے تو صرف اتنا

کہ حمد خداوند تعالیٰ کی تعریف میں ہوتی ہے اور قصیدہ کسی بھی فرد کی تعریف میں۔ کیا کوئی ذی ہوش ذوق کے ان قصائد کو حمد کہہ سکتا ہے جو شاہِ وقت کی شان میں کہے گئے، ہرگز نہیں۔ گویا حمد کا خاص بھرم ہے جو قصیدہ کے حصے میں نہیں آیا۔ یہی حال ''نعت'' کا ہے۔ اگر کوئی زبان، ادب، شاعری کی روایات اور الفاظ کے بھرم سے نا آشنا کسی ''کرشن مہاراج'' کی شان میں کہے اشعار کو نعت کہتا ہے، اُس کی جہالت ہی واضح نہیں ہوتی بلکہ وہ قانون تعزیرات کے تحت لائق سزا بھی قرار پاتا ہے۔

قرآن شریف میں خالق مطلق کا نام ''اللہ'' آیا ہے، دوسرا کوئی نام نہیں! اگر ہے تو وہ اسمِ صفاتی ہے، مسلمانوں میں اللہ کے ساتھ خدا بھی بطورِ نام مستعمل ہے اور اس طرح رواج پا گیا ہے کہ اللہ اور خدا میں فرق نہیں رہا۔ دونوں کا بھرم برابر ہے۔ مسلمانوں نے صدیاں جنوبی ایشیا میں گذار دیں مگر بھگوان اُن کے منہ نہ چڑھ سکا۔ اللہ اور خدا میں توحید کی جو شان ہے وہ بھگوان میں نہیں، کیونکہ اس کا اشارہ تکثیر کی طرف ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآنی احکام ''صوم وصلوٰۃ'' کے حق میں ہیں۔ ایرانیوں نے جس طرح اللہ کو خدا تسلیم کرلیا اسی طرح اُنہوں نے صوم وصلوٰۃ کی جگہ روزہ نماز کو رواج دیا، جمہور نے اسے قبول کرلیا اور اس کا بھرم قائم ہوگیا۔ کوشش کے باوجود ''برت'' اور ''پرارتھنا'' کا بھرم قائم نہ ہوسکا۔ لفظوں کا بھرم لسانیاتی حقیقت ہی نہیں تاریخی اور معاشرتی سچائی بھی ہے۔ تہذیبی روایت سے ہٹ کر کسی جدّت کا اظہار ہو تو وہ فن، ادب اور زبان کا مذاق قرار پاتا ہے۔ حضورِ آخرالزماں ﷺ کی شان میں نعتیہ اشعار کہے جاتے ہیں، اُن میں حضورؐ سے والہانہ محبت کا ذکر بھی ہوتا ہے جو عقیدت ہی کا ایک روپ ہے۔ ہماری تہذیب شاعری میں عشقیہ باتوں کو روا رکھتی ہے بشرطیکہ اظہارِ عشق مرد کی جانب سے ہو۔ معاشرہ کے کسی طبقہ میں عورت یا لڑکی کا اظہار کہ وہ کسی مرد سے محبت کرتی ہے، حد درجہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ ہندی شاعری اس کے برخلاف عورت کی جانب سے اظہارِ محبت سے بھری پڑی ہے۔ مسلم معاشرہ کے مزاج کے خلاف ہونے کے باوجود اس میں کیف اور دل نشینی محسوس ہوتی ہے، پھر بھی اس طرزِ اظہار کو اُردو شاعری میں عام ہونے کا موقع نہیں دیا گیا اور ریختی تیسرے درجے سے بھی کمتر شاعری سمجھی گئی۔ جن الفاظ اور اندازِ بیان میں عورت کی جانب سے ہندی میں جذباتِ عشق پیش کیے جاتے ہیں اُنہیں اپنانے کی کوشش متعدد اُردو شاعروں نے ''نعت'' کی اور حضور کی شان میں مرے بانکے، یارِ طرح دار، رنگیلے بانکے سیاں، بالم، بالما، معراجی سیاں، عائشہ بی بی کے بالم، کالی کملی والے کنہیا، گئو سیاں، پڑھنے کو ملتے ہیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ الفاظ بے جوڑ، بے ربط بلکہ بے معنی ہوکر رہ گئے ہیں اور اپنے استعمال پر آپ احتجاج کررہے ہیں۔

فی زمانہ متعدد الفاظ بے اعتدالی اور ناجائز طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن اس طرز پر نہ غور کیا جاتا ہے نہ احتجاج! ''مذہب'' ایسا ہی ایک لفظ ہے۔ اس بوالعجبی کو کیا کہیے کہ دین بھی مذہب اور بے دینی بھی مذہب۔ توحید پرستی بھی مذہب اور صنم پرستی بھی مذہب! کوئی حسن وعشق کی داستان لکھ کر ''مذہبِ عشق'' اس کا نام قرار دیتا ہے اور نہال ہوجاتا ہے۔ کوئی اصرار کرتا ہے ''مذہبِ عشق میں فکر ہے حرام۔'' مذہب وہ بھی ہے جو من جانب اللہ نافذ ہوا اور مذہب وہ بھی ہے جسے کسی خدا ناآشنا نے تخلیق کیا ہے۔ ہمارے ایک کرم فرما جامعہ کراچی میں اُردو کے پروفیسر رہ چکے ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، اپنے ایک اخباری کالم میں لکھا ہے ''برطانیہ مذہبِ جمہوریت کا حرم سمجھا جاتا ہے۔'' ہم عرصہ سے سوچ رہے ہیں اس سے مذہب اور حرم کی توقیر ہوئی ہے یا

توہین! اخباری خداؤں اور مذہبوں کی تعداد درجنوں سے زائد ملے گی۔ جنوبی ایشیا میں کرکٹ کا ایک نوجوان کھلاڑی ''کرکٹ کا بھگوان'' کہلاتا ہے۔ امریکہ میں ایک پیشہ ور ریسلر (*Wrestler*) اپنے آپ کو ریسلنگ گاڈ (*Wrestling God*) کہتا ہے۔ جس پتھر کو اٹھا کر دیکھئے اُس کے نیچے سے ایک مذہب، ایک بھگوان یا ایک God ضرور برآمد ہوگا۔

ہم اقبال کے عقیدت مند ہیں، اُن کے طرفدار نہیں، جب وہ شعر میں کارل مارکس کو ''پیغمبر بے کتاب'' کہتے ہیں۔ ہم ''پیغمبر'' کو لفظی معنوں میں لے سکتے ہیں نہ اصطلاحی معنوں میں! اصطلاحاً یہ ایسا شرف ہے جو من جانب اللہ عطا ہوتا ہے، یہ صفت نسبتی ہے نہ تو ذاتی اور نہ کسبی! نسبتی ہونے کے ناطے اس کے متعلقات ہیں۔ کارل مارکس یہ شرائط اور متعلقات پورا نہیں کرتا۔ وہ فلسفی ہوسکتا ہے، مفکر ہوسکتا ہے، دانشور ہوسکتا ہے، خالقِ نظریۂ حیات ہوسکتا ہے پیغمبر نہیں ہوسکتا۔ کسی نام کے ساتھ پیغمبر کی اضافت کا اثبات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خاتمیت سے انکار ہے۔ ہم اقبال کے ایمان پر حرف گیری کے مرتکب نہیں ہو رہے ہیں بلکہ لفظ کے استعمال کو بے احتیاطی سے استعمال کرنے کا واضح ثبوت پیش کر رہے ہیں اور پھر یہ بھی حقیقت کے برخلاف ہے کہ کارل مارکس ''بے کتاب'' تھا وہ بھی ''صاحبِ کتاب'' ہے اور لوگ ''داس کیپتال'' کو صحیفۂ آسمانی سے کم باور نہیں کرتے۔

لفظ کے بے احتیاطی کے ساتھ استعمال کی مثالیں ہر شاعر کے کلام میں ملتی ہیں لیکن اقبال جیسے وسیع المطالعہ شاعر کے کلام میں اس کی مثالیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اُنہوں نے ''یزداں'' کا لفظ خدا کے لیے استعمال کیا ہے۔ اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ اہلِ ایران اس لفظ کو خاص معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ اُن کے قدیم مذہبی نظریہ میں ایک خدائے خیر، یزداں اور ایک خدائے شر، اہرمن تھا۔ گویا وہ دو خداؤں کے قائل تھے۔ یہ نظریہ اسلامی اعتقادِ توحید کے منافی ہے۔ یزداں کے لفظ کے ساتھ دوئی کی بو آتی ہے کہ اس کے مقابل اہرمن بھی ہے اس لیے اس لفظ کو خدائے واحد کے لیے لکھنا مناسب نہیں۔

یہ تحریر کسی ایک شخصیت کے حوالہ سے تنقید یا تعریض نہ سمجھی جائے بلکہ اسے بے احتیاطی کے عام رویہ کے خلاف احتجاج ہی سمجھا جائے۔

Arabic beyond the basics

by:

Syed Munir Wasti

Pages: 47 First Edition: June 2015

Qirtas